حج کے فائدے

برادران اسلام - قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ "تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں انکے لیے کیسے کیسے فائدے ہیں" یعنی یہ سفر کرکے اور اس جگہ جمع ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے کہ یہ انہیں کے نفع کے لیے ہے - اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں اُن کا اندازہ کچھ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کرکے خود دیکھ لے - حضرت امام ابوحنیفہ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انہوں نے حج نہ کیا تھا، انہیں اس معاملہ میں تردد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کونسی عبادت ہے - مگر جب انہوں نے خود حج کرکے اُن بے حد وحساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں، تو بے تامل پکار اٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے -

آئیے، اب میں آپ کو مختصر الفاظ میں اسکے فائدے بتاؤں -

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں - ایک سفر وہ جو روٹی کمانے کے لیے کیا جاتا ہے - دوسرا وہ جو سیر و تفریح کے لیے کیا جاتا ہے - ان دونوں قسم کے سفروں میں اپنی غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے - گھر چھوڑتا ہے تو اپنی غرض کے لیے - بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے تو اپنی خاطر - مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے - لہذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے - مگر یہ سفر جس کا نام حج ہے، اس کا معاملہ

اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے یا اپنے نفس کی کسی خواہش کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اُس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اُس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہ ہو، اس کا خوف نہ ہو، اور اُس کے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔ پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کے لیے علحدگی، اپنے عزیزوں سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اُس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کے اندر خوفِ خدا اور محبت خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی۔ اور اُس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے، تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے۔

پھر جب وہ ایسے پاک ارادہ سے سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو اسکی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اٹھا ہو اور جس کی لَو اُدھر لگ گئی ہو، اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ لوگوں سے اپنا کہا سنا بخشواتا ہے۔ کسی کا حق اُس پر آتا ہو تو اسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ بُرائی سے اسکے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے لیے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اسکے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیت نہ پہنچے اور جسکی جتنی خدمت یا مدد ہو سکے کرے۔ بدکلامی، یا بیہودگی، یا بے حیائی، یا بددیانتی کرنے سے خود اسکی اپنی طبیعت اندر سے رکتی ہے، کیونکہ وہ خدا کے راستے میں جا رہا ہے۔ حرم الٰہی کا مسافر ہو اور پھر بدکاریاں کرتا ہوا جائے

ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؟ اُس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے۔ اس عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ پس دوسرے تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے، اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی کورس ہے جس سے لازماً ہر اُس مسلمان کو گذرنا ہوتا ہے جو حج کے لیے جائے۔

سفر کا ایک حصہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکہ جانا چاہتا ہو، احرام باندھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس، جس میں ایک تہ بند، ایک چادر اور جوتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے، مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن کر چلو۔ ظاہر میں بھی فقیر بنو اور دل کے فقیر بھی بننے کی کوشش کرو۔ رنگین کپڑے اور آرائش کے لباس اتارو۔ سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس پہن لو۔ موزے نہ پہنو۔ سر کھلا رکھو۔ خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ۔ ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو۔ عورت اور مرد کا تعلق بند کردو، بلکہ ایسی حرکات وسکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اسکی یاد دلانے والی ہوں۔ شکار نہ کرو، بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑیگا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا۔ کبر وغرور نکلے گا۔ مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی۔ دنیا اور اسکی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہونگی۔ اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد، اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت، اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت، اور ہر قافلے سے ملتے وقت، اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہوکر بلند آواز سے پکارتا ہے، وہ یہ ہیں:

لبیك، اللھم لبیك، لاشریك لك لبیك - اِنَّ الحمدَ والنعمة لك والملك - لاشریك لك -

یہ دراصل حج کی اُس ندائے عام کا جواب ہے جو حکم الٰہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی - ساڑھے چار ہزار برس ہوئے جب اللہ کے اُس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ، خواہ سواریوں پر آؤ" جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں - حمد تیرے لیے ہے، نعمت تیری ہے، مُلک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں" اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی اُس تحریک سے جُڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل کے وقت سے چلی آرہی ہے - ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے - یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اُدھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم پکار رہے ہیں اور اِدھر یہ جواب دے رہا ہے - جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے - جوں جوں آگے بڑھتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ طاری ہوتی جاتی ہے - ہر چڑھاؤ اور ہر اُتار پر اِسکے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے - ہر قافلہ اِسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اسکا پیغام سن کر پکارتا ہے "میں حاضر، میں حاضر" ہر نئی صبح اِسکے لیے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ لبیك اللھم لبیك کی صدا لگانے لگتا ہے - غرض یہ بار بار کی صدا اِحرام کے اُس فقیرانہ لباس، سفر کی اُس حالت، اور منزل بمنزل کعبہ سے قریب تر ہونے جانے کی اُس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشق الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اُسکے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس اک یادِ دوست

کے سوا" "آگ اِس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا"

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اُس آستانے کا رُخ کرتا ہے جسکی طرف بلایا گیا تھا آستانِ دوست کو چومتا ہے پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین ومذہب کے اُس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر چکر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا جاتا ہے[1] اسکے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکار اٹھتا ہے:

لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے، ہماری اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، گویا اپنی حالت سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اسکی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہیگا اس سعی کے دوران میں کبھی اسکی زبان سے نکلتا ہے:

اللھم استعملنی بسنۃ نبیک وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات الفتن

"خدایا! مجھ سے کام لے اُسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے، اور زندگی میں مجھے بچا ان فتنوں سے جو راہ راست سے بھٹکانے والے ہیں"

---

[1] حجر اسود کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام نے آستانہ بوسی کے لیے اس جگہ کو معین کر لیا تھا۔ ورنہ بجائے خود اس پتھر میں کوئی بات نہیں ہے کہ چومنے کے لیے اسی کی کچھ خصوصیت ہو، جیسا کہ حضرت عمر نے اس کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر رسول اللہ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

اور کبھی کہتا ہے :

رب اغفر وارحم، وتجاوز عما تعلم، انك انت الاعز الاکرم

"پروردگار! معاف کر اور رحم کر! میرے قصوروں کو تو جانتا ہے، اُن سے درگزر فرما، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر،"

اسکے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اسکو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ایک دن منیٰ میں پڑاؤ ہے، دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایات سُنی جارہی ہیں، رات مزدلفہ میں جاکر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے، دن نکلتا ہے تو منیٰ کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اُس ستون پر کنکریوں سے چاند ماری کی جاتی ہے جہاں تک اصحاب فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لیے پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے اللہ اکبر، رغماً للشیطان وحزبہ، اور اللھم تصدیقاً بکتابك واتباعاً لسنة نبیك۔ کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہے کہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے اٹھیگا، میں اسکے مقابلے میں تیرا بول بالا کرنے کے لیے یوں لڑونگا۔ پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہ خدا میں خون بہانے کی نیت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رخ کیا جاتا ہے، جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرکے ہیڈ کوارٹر کی طرف سرخ رو واپس آرہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہوکر احرام کھل جاتا ہے، جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے، اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ اِس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منیٰ میں جاکر پھر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن پتھر کے اُن تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاند ماری کرتا ہے جن کو جمرات کہتے ہیں اور جو دراصل اُس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے سال عین حج

کے موقع پر اللہ کے اس گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا۔[۱] تیسرے دن پھر ان ستونوں پر سنگباری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے۔ یہ طوافِ وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سنی اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اسکی تیاری سے لیکر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدت میں، کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، بہت سے دنیوی تعلقات کی قربانی ہے، بہت سی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی قربانی ہے، اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے، کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیزگاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گذرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان اُن لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنہوں نے اللہ کی بندگی و اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا، دنیا بھر سے لڑے، مصیبتیں اٹھائیں، جلاوطن ہوئے، ظلم پر ظلم سہے، مگر بالآخر اللہ کا کلمہ بلند کر کے چھوڑا اور ہر اُس باطل قوت کا سر نیچا کر کے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی۔ اِن آیات بینات اور اِن آثار متبرکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی عزم

---

[۱] عام طور پر مشہور ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اُس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم کو پیش آیا تھا، یعنی حضرت اسمٰعیل کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپکو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسمٰعیل کے فدیہ میں مینڈھا آپکو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اسکو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔

وہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شاید کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طواف کعبہ سے اسکو مرکز دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے، اور مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق اسے کرائی جاتی ہے، اسے اگر آپ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہر اس مسلمان پر جو کعبہ تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہے، تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گذر چکے ہوں۔

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہینگے جب تک یہ بات آپکے پیش نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپکے سامنے صرف اتنی بات آئی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک وقت مقرر کرکے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔

اسلام کا کمال یہی ہے کہ یہ بیک کرشمہ دوکار نہیں بلکہ ہزار کار نکال لے جاتا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنے ہی میں کچھ کم فائدے نہ تھے، مگر اسکے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کرکے، اور جمعہ وعیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اسکے فائدوں کو بے حد وحساب بڑھا دیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ مگر سب مسلمانوں کے لیے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کرکے اس کے فائدے اتنے بڑھا دیے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت خوبیاں تھیں، مگر اسکے لیے بیت المال کا نظام مقرر کرکے اسکی منفعت

اتنی بڑھادی کہ آپ اس کا اندازہ اُس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے کہ اکیلا اکیلا آدمی حج کرے تب بھی اسکی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے، اگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اسکے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے اسلیے انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں اس کو مفصل بیان کرونگا۔